

## آبادشاہ پوری مرحوم

پروفیسر خورشید احمد

آباد صاحب بیمار تو ایک عرصے سے تھے اور اسی سال فروری میں ان کی اہلیہ کے انتقال نے ان کی صحت اور ہمت دونوں ہی کو متاثر کیا تھا لیکن سارے مصائب کے باوجود وہ مرد درویش اس مقصد کی خدمت کے لیے بے چین تھا جس کے عشق نے اس کی جوانی اور بڑھاپے کے شب و روز اپنا لیے تھے۔ تحریک اسلامی کا یہ بوڑھا سپاہی جماعت اسلامی کی تاریخ اور مولانا مودودی کی سوانح لکھنے کے لیے بے چین تھا اور اپنا یہ کام اُدھورا چھوڑ کر ۲۹ ستمبر ۲۰۰۳ء کو رفیقِ اعلیٰ سے جا ملا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون!

آباد شاہ پوری صاحب سے میرا پہلا تعارف اس زمانے میں ہوا جب وہ اُردو ڈائجسٹ سے وابستہ تھے (۱۹۶۳ء-۱۹۸۰ء)۔ اس سے پہلے وہ کوئٹہ اور تسنیم سے بھی وابستہ رہے لیکن اس دور میں میرا ان سے کوئی ربط نہ تھا۔ اُردو ڈائجسٹ میں ان کے مضامین نے چونکا دیا۔۔۔ خصوصیت سے تاریخ، سیرت اور شخصیت نگاری کے میدان میں ان کی تحریریں بڑی دل نشیں ایمان افروز اور آرزو کو بیدار کرنے والی تھیں۔ ان کی کتابوں میں مجھے سب سے زیادہ عزیز سید بادشاہ کا قافلہ، پہاڑی کے چراغ اور اسلامی زندگی کی کہکشاں تھیں۔ تحریکی ادب میں آبادشاہ پوری کی یہ اہم خدمت ہے کہ انھوں نے دماغ کے ساتھ دل کی غذا کا بندوبست کیا اور جوانوں کو ولولہ تازہ دینے کا کام انجام دیا۔

آبادشاہ پوری مرحوم کا اصل نام محمد خورشید الزماں تھا اور وہ تحصیل و ضلع خوشاب میں

۴ جون ۱۹۲۳ء کو پیدا ہوئے۔ پہلے فاضل، پھر پنجاب یونیورسٹی سے ایم اے اُردو کی سند حاصل کی۔ اُردو، عربی، فارسی اور انگریزی پر عبور تھا اور صحافت، شعر و ادب، تاریخ و سوانح اور تحقیق و تصنیف کے میدان میں نمایاں خدمات انجام دیں۔ عالم اسلام کے مسائل اور مسلمانوں کے حالات سے خصوصی دل چسپی تھی اور ان کی تحریر کے جس پہلو نے مجھے متاثر کیا، وہ تاریخی شعور کی روشنی، ادب کی چاشنی اور سب سے بڑھ کر امید اور جذبہ کار کو بیدار کرنے والا دلولہ تھا۔ اس میں زندگی ہی زندگی اور جدوجہد ہی جدوجہد کا سماں نظر آتا تھا۔ آبادشاہ پوری زبان کی صحت کا بڑا خیال رکھتے تھے اور مجھے یہ کہنے میں ذرا بھی باک نہیں کہ ان کی زبان اُردو کے معنی کا بہترین نمونہ تھی۔ الحمد للہ وہ کسی لسانی تعصب میں مبتلا نہیں تھے لیکن میں نے ہمیشہ محسوس کیا کہ وہ پنجاب کے اُردو کے ان خادموں میں سے ایک تھے جنہوں نے اپنی تحریر پر مقامی محاورے کا کوئی سایہ نہیں پڑنے دیا اور ان کی نگارشات کے مطالعے سے یہ پتا لگانا مشکل ہے کہ صاحب نگارش کا تعلق کس خطے سے ہے۔ اپنی بات کی وضاحت کے لیے پطرس کا ایک قول بطور جملہ معترضہ کے لکھ دوں تو کوئی مضائقہ نہیں۔ اہل زبان میں بحث ہو رہی تھی کہ ”مجھے پشاور جانا ہے“ اور ”میں نے پشاور جانا ہے“ دونوں میں سے صحیح یا یوں کہہ لیجئے کہ فصیح کیا ہے تو پطرس نے کہا: فصیح تو ”مجھے پشاور جانا ہے“ ہی ہے مگر ”میں نے پشاور جانا ہے“ لکھنے والے کے بارے میں یہ بھی پتا چل جاتا ہے کہ آ کہاں سے رہا ہے۔

مجھے آباد صاحب سے ۱۹۸۰ء کے بعد بہت قریب سے معاملہ کرنے کا موقع ملا۔ وہ ایک عرصہ انسٹی ٹیوٹ آف پالیسی اسٹڈیز سے وابستہ رہے اور اس کے بعد بھی اگرچہ ادارہ معارف اسلامی لاہور سے وابستہ تھے مگر واسطہ انسٹی ٹیوٹ ہی تھا۔ میں نے ان کو ایک بلند پایہ محقق، ایک بے لاگ نفاذ، ایک روشن خیال ادیب، ایک مخلص ساتھی اور سب سے بڑھ کر ایک اچھا انسان پایا۔ دنیا طلبی کی کوئی جھلک ان کی زندگی میں نہ تھی اور آخری ایام میں جب وہ کام کرنے سے اپنے کو معذور پارہے تھے تو یہ کہہ کر اعزاز یہ لینے سے انکار کر دیا کہ میں کام نہیں کر پارہا ہوں۔

پیدا کہاں ہیں ایسے پراگندہ طبع لوگ

افسوس تم کو میر سے صحبت نہیں رہی

آباد صاحب نے اپنی زندگی کے آخری ۲۰ سال جماعت اسلامی پاکستان کی تاریخ اور

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی کی سوانح حیات لکھنے کے لیے وقف کر دیے تھے۔ انھوں نے تحقیق کا حق ادا کیا اور لاکھوں صفحات کھنگال کر نوٹس تیار کیے۔ جماعت کی تاریخ کی وہ صرف دو جلدیں مرتب کر سکے۔ افسوس کہ پوری تیاری کے باوجود مولانا کی سوانح وہ ضبط تحریر میں نہ لاسکے اور اپنی ساری تخلیق کا حاصل اپنے ساتھ ہی لے گئے جو اہل علم کے لیے بڑی محرومی ہے۔ اگر انھیں مولانا کی سوانح لکھنے کی مہلت مل جاتی تو یہ تحریر کی ادب میں ایک بیش قیمت اضافہ ہوتا۔ لیکن امر ربی کے آگے کسی کو کیا مجال!

آباد صاحب شاعر بھی تھے لیکن میں اس راز سے ان کے انتقال کے بعد ہی واقف ہو سکا۔ ان کی جو چند نظمیں اب دیکھی ہیں تو اندازہ ہوتا ہے کہ اگر وہ اس میدان میں آگے بڑھتے تو خاصے کی چیزیں پیش کر سکتے تھے۔

آبادشاہ پوری ان لوگوں میں سے تھے جنہوں نے جس چیز کو مقصد زندگی کے طور پر اختیار کیا، اس کے لیے پوری زندگی وقف کر دی اور آخری لمحے تک وفاداری کے ساتھ اپنی خدمات انجام دیتے رہے۔ ان کی زندگی بہت سادہ، ان کی مصروفیات بہت مشین اور محدود، ان کے تعلقات وسیع مگر ان کے معمولات وقت گزاری اور یار باشی سے پاک۔ خاندانی اور تحریر کی معاملات میں، میں نے ان کو بہت معاملہ فہم پایا اور انسانی تعلقات کے باب میں تو وہ اس پہلو سے منفرد تھے کہ اپنے اور پرانے ان سے مشورہ کرتے اور تنازعات میں ان کو ثالث بناتے اور وہ ہمیشہ حق و انصاف اور ہمدردی کے ساتھ معاملات کو نمٹاتے۔ کم گو تو وہ شاید ہمیشہ ہی سے تھے لیکن آخری عمر میں کچھ زیادہ ہی اپنے کاموں میں مگن ہو گئے تھے لیکن انسانی تعلقات اور حقوق کی ادائیگی سے کبھی غافل نہ رہے۔ یہ وہ روایت ہے جو اب اٹھتی جا رہی ہے حالانکہ آج کے انسان کو اس کی ہمیشہ سے زیادہ ضرورت ہے۔ آباد صاحب بر عظیم کی جس علمی، صحافتی اور ادبی روایت کا نمونہ تھے وہ اب عنقا ہوتی جا رہی ہے۔ ان کے اٹھ جانے سے ایک خلا محسوس کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ ان کی خدمات کو قبول فرمائے اور انھیں اپنے جو ارحمت میں جگہ دے۔ آمین!

۔ جو بادہ کش تھے پرانے، وہ اٹھتے جاتے ہیں

کہیں سے آپ بقاءے دوام لے ساتی